JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 16, Issue: 02, January – Jun 2023

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

جدید مفسرین و متکلمین کی خیر و شر سے متعلق آراء کا تقابل

Comparison of the Opinions of Modern Exegists and Theologians Regarding Good and evil

Syeda Ayesha Rizvi*
PhD Institute of Islamic Studies,
Punjab University, Lahore, Pakistan
Dr. Sabeen Akbar**
Associate Professor,
Department of Islamic Studies,
BUITEMS, AirPort Road Quetta-

ABSTRACT

Like the traditional exegists, many modern exegists have also incorporated the discussions of good and evil into their exegesis. Among them we chose three commentators: Mawlānā Abu al-Kalām Āzād, Amīn Aḥsan Iṣlāḥī and Abdul Ḥaq Ḥaqqānī. The discussions related to good and bad will be explained in this chapter with the interpretations of these three exegists. These three exegists are widely accepted among scholars, they have presented valuable scholarly studies on their topics. Based on the acceptance of these exegesis among the scholars and their valuable discussions, we will present the discussions of good and bad among them which are as follows.

Keywords: *Traditional exegists, Modern exegists, exegesis, Mawlānā Abu al-Kalām Āzād, Amīn Aḥsan Iṣlāḥī, Abdul Ḥaq Ḥaqqānī.*

تمہید

قدیم مفسرین کی مانند بہت سے جدید دور کے مفسرین نے بھی خیر و شر سے متعلق مباحث کو اپنی تفاسیر میں جمع کیا ہے۔ ان میں سے ہم نے تین مفسرین کا انتخاب کیا: مولانا ابو الکلام آزاد، امین احسن اصلاحی اور عبد الحق حقانی۔ ان تینوں مفسرین کی تفاسیر

CC BY

سے اس فصل میں خیر وشر سے متعلقہ ذکر کردہ مباحث بیان کی جائیں گی۔ یہ تینوں تفاسیر کو اہل علم میں قبول عام حاصل ہے، اپنے موضوعات پر قیمتی علمی مطالعہ انہوں نے پیش کیا ہے۔ اہل علم میں ان تفاسیر کی قبولیت اور ان کی قیمتی مباحث کی بنا پر ہم ان میں سے خیر وشر کی مباحث کو پیش کریں گے جو کہ حسب ذیل ہیں:SS

ترجمان القرآن

مولانا ابو الکلام آزاد کی مایہ ناز تفسیر ترجمان القرآن ہے۔ جو کہ قرآنی مجید کے معانی و مطالب اور مختصر تفسیر پر مشتمل ہے۔ فاضل مولف نے اس میں اپنی قیمتی آراء پیش کی ہیں۔ اہل علم میں یہ تفسیر مقبول ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے اس تفسیر میں بہت سے علمی نکات بیان کیے ہیں۔ ہم اس تفسیر میں سے خیر وشر سے متعلق مباحث کو ذکر کریں گے۔ جو کہ حسب ذیل ہیں:

مسئلہ خیر وشر اور فطرت انسانی

سورۃ التین کی دوسری آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ سوال انسان کی اصلی فطرت وجبلت کی نیکی اور بدی کا ہے یعنی کیا بالطبع وہ نیک بنایا گیا ہے یابد ؟ یا دونوں ؟ اس کے داخلی جذبات وداعیات کی کشائش اور خارجی اعمال و نتائج کا میدان تو بظاہر نور وظلمت، ملکوتیت و بہیمیت، حسن وبدروئی، علو وتسفل، عظمت وذلت، نیکی وبدی دونوں کا مجموعہ نظر آتا ہے اور کچھ پتا نہیں چلتا کہ دراصل وہ کیا ہے ؟۔ دنیا میں ابتدا سے لے کر اب تک اس سوال کے متعلق تین مختلف مذاہب نظر آتے ہیں:

2۔ انسان کی اصلی جبلت و فطرت وبدی ہے لیکن باہر کی تربیت اس کو عارضی طور پر خوشنما کر دیتی ہے وخصائص فطرت کے اعتبار سے ایک خالص حیوان ہے لیکن تربیت پذیریری کے اعتبار سے ان پر فوقیت رکھتا ہے درخت کی جڑ اور شاخیں متناسب نہیں ہوتیں لیکن ان کا کاٹ کر اور چھیل کر ہم درست کر لیتے ہیں فطرت کی تمام خلقت کا یہی حال ہے اصل فطرت میں قوم و اعتدال نہیں ہوتا چھیل چھال کر اسے سڈول بنایا جاسکتا ہے یہی حال انسان کا ہے باہر کی صناعی تربیت سے ایک نیا رنگ اپنے اوپر چڑھالیتا ہے لیکن جب اوپر کا رنگ کمزور ہو جاتا ہے تو اصلی تہ نظر آتی ہے بڑے سے بڑے مہذب انسان بھی غصہ وانتقام میں درندہ بن جاتا ہے اس لیے کہ اس کا مصنوعی رنگ اتر گیا اور اس کی اصلی فطرت شر ابھر آئی۔ یہ مذہب، مذہب شریا، مذہب یاس ہے وہ دنیا کی ہر چیز کو شر اور یاس کی نظر سے دیکھتا ہے یونان میں، دیوجانسی کلبی، (ڈائیگونس) اسی فلسفہ اخلاق کا مشہور پیشوا گزرا ہے۔

2۔ دوسرا مذہب ان لوگوں کا ہے جو انسان کی فطرت کو بالکل ایک سادہ حالت میں دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں نہ تو نیکی ہے اور نہ بدی ہے نہ وہ کانٹوں کی چبھن ہے اور نہ پھولوں کی مہک۔ وہ محض ایک منفعل اثر پذیر اور نقش انگیز وجود ہے جو اپنے

ساتھ کچھ نہیں لاتا مگر دنیا میں آخر جو کچھ پاتا ہے لے لیتا ہے وہ ایک دامن ہے جس کے اندر سوائے گنجائش و عمق کے اور کچھ نہیں اس میں ہر طرح کا بوجھ بھر لینے کی صلاحیت ہے مگر ابھی کوئی چیز اس میں بھری نہیں گئی ہے اب اگر اس کو پتھر ملا ہے تو اسی کو بھر لے گا پھول ملے ہیں تو ان کا اٹھالے گا یہ تشبیہ واضح تر یہ کہ انسان کی فطرت ایک سفید کاغذ ہے جس پر کوئی نقش نہیں ہوتا نہ تو کانٹے کی تصویر ہوتی ہے اور نہ پھول کی اب جو کچھ اس پر بنایا جائے گا بن جائے گا۔ حکمائے یونان اس مذہب کا ایک دور رہ چکا ہے معتزلہ نے بھی زیادہ تر اسی کی پیروی کی تھی آج یورپ میں بھی حکمائے اخلاق کا ایک بڑا گروہ یہی کہتا ہے۔

3۔ تیسرا مذہب، جامع خیر و شر، ہے یعنی وہ کہتا ہے کہ آدمی زادہ طرفہ معجون ست۔ نیکی اور بدی دونوں اس کی فطرت میں موجود ہیں بالقوۃ وہ شیطان اور فرشتہ دونوں ہے قوت ملکوتی اور بہمی دونوں رکھتا ہے دنیا میں آخر جس قسم کے خارجی موثرات ملتے ہیں انہی کے مطابق اس کی کوئی قوت نشو و نما پاتی اور بروز کرتی ہے اگر وہ اثرات اس کے لیے جمع ہو جائیں جن کو تم نیکی کے لقب سے پکارتے ہو تو اس کی قوت ملکوتی ابھر گی اور چمکے گی لیکن اگر بر خلاف اس کے بدی کا گرد و غبار چھا جائے گا تو نیکی کی چمک ماند پڑ جائے گی اور بدی کی تاریکی پھیل جائے گی اس مذہب کے پیروں کے نزدیک انسان کے اندر بالقوہ ملکوتیت و بہیمیت دونوں ہیں مگر ان کا فعل تربیت و تاثرات سے نمود پکڑتا ہے گویا نیکی اور بدی دو بیج ہیں جن کو انسان اپنے ساتھ دنیا میں لاتا ہے پھر جس بیج کو تربیت تاثر کا پانی مل جاتا ہے وہی پھولتا پھلتا اور تناور درخت بنتا ہے۔

القرآن الحکیم

قرآن حکیم نے دین الٰہی کا دوسرا نام العلم رکھا ہے۔(**والئن التبعت اھواء ھم بعدالذی جاءک من العلم**)[1] اور اگر تو نے انکی خوہشوں کی پیروی کی بعد اس کے کہ تیرے پاس علم یعنی دین الٰہی آچکا ہے۔ ہر جگہ گمراہ قوموں کی بغی و ضلالت پر ملامت کرتے ہوئے کہا، (**فما اختفلوا الا من بعد ماجاء ھم العلم بغیا بینھم**) [2] ۔ عالمین قرآن کی نسبت کہا(**فی صدورالذین اوتوالعلم**)[3] وہ ان کے سینوں میں ہے جن کو علم دیا گیا ہے۔ نیز کہا کہ یہ برہان ہے بصائر ہے نور ہے بصیرت ہے اور ہر جگہ کفر کو کہا کہ وہ ظن ہے، شک ہے، تخمین ہے، اور اٹکل کی باتیں اور قیاسات ہیں(**مالھم بذالک من علم ان ھم الایظنون**)[4] ۔

پھر دین الٰہی کو ماننے اور اطاعت کرنے کو ایمان کہا اور ایمان والوں کو مومن ایمان امن سے ہے اور امن کے معنی طمادیہ النفس۔ اور زوال خوف و شک کے ہیں ان تمام تصریحات سے واضح ہوا کہ دنیا میں علم و یقین صرف ایک ہی ہے اور وہ وحی الٰہی ہے اور اس کے سوا جس قدر ادعائے علم کے اعلانات ہیں ظن اور شک سے آگے نہیں بڑھ سکتے نیز یہ کہ ایمان کے معنی یقین حاصل کرنے کے ہیں اور مومن وہ ہے جس کے پاس شک کی جگہ یقین ہو یہی وجہ ہے کہ مومن اور غیر مومن کو، **الذین**

یعلمون، اورالذین لایعلمون، اور الاعمی، اور البصیر، سے تشبیہ دی یعنی، صاحبان علم، اور بینا۔۔ اور ارباب جہل اور اندھے۔

خیر وشر اور جبر

سورۃ الشعراء آیت نمبر 4 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہمارے لیے یہ کچھ مشکل نہیں ہے کہ آسمان سے ایسا نشان نازل کریں جو تمام کفار کو ایمان وطاعت پر مجبور کر دے مگر ایسا جبری ایمان اس کو مطلوب نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت تو یہ ہے کہ لوگ اس کتاب مبین کی آیات کو پڑھ کر خود ہی راہ ہدایت اختیار کریں اور آفاق وانفس میں جو آیات پائی جاتی ہیں اور ان پر غور وفکر کر کے حق کو پہچانیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اختیار وارادہ کی آزادی دی ہے اور اس کے اندر خیر وشر کے دونوں رجحان رکھ دیے ہیں اور امتحان کے مقام پر کھڑا کر دیا ہے کہ وہ کفر وفسق کی راہ اختیار کرتا ہے یا ایمان وطاعت کی، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبر ہو تو امتحان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔[5]

خیر وشر کی آزمائشیں

سورۃ الانبیاء آیت نمبر 24 کے تحت لکھتے ہیں:

یہ استدلال وحدت ادیان کی اصل عظیم کا استدلال ہے جس پر قرآن نے اپنی دعوت کی تمام بنیادیں استوار کی ہیں۔ وہ کہتا ہے یہ تعلیم حق ہے جو میرے ساتھیوں کے پاس ہے اور اسی طرح وہ تمام تعلی میں بھی موجود ہیں جو مجھ سے پہلے دی جاچکی ہیں۔ تم کسی تعلیم سے بھی یہ ثابت کر دکھاؤ کہ سچائی کی بات وہ نہیں ہے جو میں پیش کر رہا ہوں؟ پھر اگر بغیر کسی اختلاف کے دنیا کے ہر عہد اور ہر گوشہ کی دینی تعلیم ایک ہی رہی ہے اور سب نے توحید وخدا پرستی ہی کی طرف بلایا ہے تو کیا یہ عالمگیر وحدت تعلیم اور باہم دگر تصدیق وتوثیق حقیقت کی موجودگی کا ایک قطعی ثبوت نہیں ہے؟ چناچہ آیت 25 میں وضاحت کر دی کہ دعوت قرآن سے پہلے جتنی دعوتیں بھی دنیا میں آچکی ہیں ان سب کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں رہی ہے کہ (**لا الہ الا انا فاعبدون**) یہی بات آگے چل کر سورۃ احقاف میں بھی ملے گی (**ائتونی بکتاب من قبل ھذا او اثارۃ من علم ان کنتم صدقین**) مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ مبحث وحدت ادیان دیکھو۔

جب انسان کسی کے بغض وعناد میں کھویا جاتا ہے تو پھر اپنی زندگی کا اتنا خواہشمند نہیں رہتا جتنا اس کی موت کا آرزو مند ہو جاتا ہے۔ دعوت حق کے معاندوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ پیغمبر اسلام کی موت کے خیال سے اپنا جی خوش کرتے تھے اور کہتے تھے اور تو کچھ ہونے والا نہیں، ہا اسی طرح دعوے کرتے کرتے ختم ہو جاؤ گے۔ آیت 24 میں منکروں کی انہی خام خیالیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا: دنیا میں ہر جان کے لیے مرنا ہے، یہاں کسی کے لیے دائمی زندگی نہ ہوئی۔ پس اصلی سوال کرنے کا نہیں ہے، سوال تو یہ ہے کہ (**نبلوکم بالشر والخیر فتنة**) ہم نے آزمائش عمل میں ڈالنے کے لیے خیر و شر کی آزمائشیں پید اکر دی ہیں۔ ان آزمائشوں سے کون کس طرح عہدہ بر آ ہوتا ہے؟ خیر کا سرمایہ جمع کرتا ہے یا شر کا؟ یہ تمہاری موت کے خیال سے اپنا جی خوش کرتے ہیں مگر خود اپنی زندگی کی خبر نہیں لیتے۔[6]

خیر و شر میں امتیاز

سورۃ الاسراء آیت نمبر 11 کے تحت لکھتے ہیں:

> انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ خیر و شر میں امتیاز نہیں کرتا اور بسا اوقات شر کا اس طرح طالب ہو جاتا ہے جس طرح اسے خیر کا خواستگار ہونا چاہیے۔ یہ حالت اسے کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہے یعنی ایسی خواہشیں ہیں جو فوراً پورا ہونا چاہتی ہیں اور جب چھا جاتی ہیں تو ایک لمحہ کے لیے بھی صبر و انتظار نہیں کر سکتیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اچھائی کی طلبگاری کرتے ہوئے برائیوں کا طلبگار ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کی طلبگاری اسے برائیوں کی طرف لے جارہی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اسے ایسی رہنمائی کی ضرورت ہے جو خیر و شر کا امتیاز سکھلائے اور خواہشوں کی ٹھوکروں سے اس کی حفاظت کرے۔ یہی رہنمائی ہدیات وحی کی رہنمائی ہوئی اور اسی لیے انسان کسی ایسی رہنمائی کا بالطبع محتاج ہوا۔[7]

خیر و شر میں امتیاز کی قوت

سورۃ الانفال آیت نمبر 29 کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> جو جماعت متقی ہو گی اس میں حق و باطل اور خیر و شر کے امتیاز کی ایک خاص قوت پیدا ہو جائے گی اور اس لیے کبھی باطل و شر کی طرف قدم نہیں اٹھائے گی۔ چناچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس اعتبار سے صدر اول کے مسلمانوں کا کیا حال تھا؟ عرب کے صحرا نشین جن کی ساری زندگیاں اونٹ چرانے میں بسر ہوئی تھیں یکایک ایرانیوں اور رومیوں جیسی متمدن قوموں کی قسموں کے مالک ہو گئے لیکن خیر و شر میں امتیاز

کی ایک ایسی قوت ان کے قبضہ میں آگئی تھی کہ جو کچھ کرتے تھے اور جس طرح کرتے تھے، وہ حق و عداوت اور خیر وسعادت کے سوااور کچھ نہیں ہوتا تھا۔

وہ زمانہ کیاہواجب مری آہ میں اثر تھا۔۔۔۔یہی چشم خوں فشاں تھی، یہی دل، یہی جگر تھا۔[8]

تفسیر تدبر قرآن

برصغیر کے مفسرین میں ایک نمایاں نام مولانا امین احسن اصلاحی کا ہے۔ مکتب فراہی سے تعلق رکھنے والے مولانا امین احسن اصلاحی کی بہت ساری کتب اہل علم میں مروج ہیں۔ لیکن ان کی دیگر کتب میں سے تفسیر تدبر قرآن کو انتہائی اعلی مقام حاصل ہے۔ اس تفسیر نے مولانا اصلاحی کو زندہ جاوید رکھا ہے۔ انتہائی علمی اور قیمتی مباحث پر مشتمل یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ لغات القرآن اور نظم قرآن سے متعلق انتہائی علمی مباحث اس تفسیر کا حصہ ہیں۔ مولانا اصلاحی کی اس تفسیر سے ہم مباحث خیر وشر کو ذکر فرمائیں گے۔ جو کہ حسب ذیل ہیں:

خیر اور شر کے مزاج میں فرق

عقبہ کے معنی گھاٹی اور اقتحام کے معنی چڑھائی چڑھنے یا کوئی مشکل کام کرنے کے ہیں۔ یہاں اس لفظ سے نیکی کے ان کاموں کی طرف اشارہ ہے جو ہمدردی خلق اور بندگی رب کے نہایت اعلیٰ کام ہیں اور جن کی بعض مثالیں آگے مذکور ہیں۔ ان کاموں کو انجام دینے کے لیے چونکہ انسان کو ایثار و قربانی سے کام لینا پڑتا ہے جو انسان پر شاق ہے اس وجہ سے اس کو اقتحام عقبۃ (گھاٹی پار کرنے سے) تعبیر فرمایا۔ یہاں وہ حقیقت ملحوظ رہے جس کی طرف ہم جگہ جگہ اشارہ کر چکے ہیں کہ جتنے بھی اعلیٰ کام ہیں ان کے لیے چونکہ نفس کو اس کی نقد لذتوں سے موڑ کر بالکل مختلف سمت میں لے جانا پڑتا ہے اس وجہ سے وہ بہت شاق گزرتے ہیں۔ اس کے برعکس ادنیٰ کاموں کی لذتیں نقد ہیں اس وجہ سے نفس ان کی طرف فوراً چل پڑتا ہے۔ اس حقیقت کو سیدنا مسیح (علیہ السلام) نے یوں واضح فرمایا ہے کہ نیکی کی راہ تنگ اور اس پر چلنے والے تھوڑے ہیں اور بدی کی راہ فراخ اور اس پر چلنے والے بہت ہیں۔ یہی حفت الجنۃ بالمکارہ (جنت میں مشکلات سے گھیر دی گئی ہے) والی حدیث میں بھی واضح فرمائی گئی ہے۔[9]

خیر کا خاص مزاج اور ان کے لیے صبر کی ضرورت:

سورۃ البلد کی آیت نمبر 17 کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہاں مرحمۃ (ہمدردی) کے ساتھ صبر کا ذکر اسی طرح آیا ہے جس طرح سورۃ عصر میں حق اور صبر کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے اس کی وجہ نیکی کے کاموں کا وہ مزاج ہے جس کی طرف ہم اقتحام عقبۃ کی

وضاحت کرتے ہوئے اشارہ کر چکے ہیں کہ نیکی کے کام بالعموم نفس کی خواہشوں کے خلاف ہیں اس وجہ سے انکے انجام دینے کے لیے انسان کو نفس کی مزاحمت کرنی اور ایک چڑھائی سی چڑھنی پڑتی ہے۔ یہ چڑھائی وہی لوگ چڑھ سکتے ہیں جن کے اندر صبر کی خصلت مستحکم ہو۔ صبر کا اصل مفہوم عزیمت و استقامت ہے۔ جن کے اندر یہ وصف نہ ہو وہ کوئی کام بھی پامردی کے ساتھ نہیں کر سکتے اس وجہ سے ضروری ہوا کہ جن کو نیکی کا درس دیا جائے ان کو ساتھ ہی صبر و استقامت کی بھی تلقین کی جائے۔[10]

عمل اور رد عمل

سورۃ آل عمران آیت نمبر 195 کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ [11]ثاب، یثوب، ثوباً کے اصل معنی رجوع کرنے اور لوٹنے کے ہیں۔ اسی سے ثواب ہے جس کے معنی اس ثمرے اور نتیجے کے ہیں جو کسی عمل کرنے والے کے عمل کے رد عمل کے طور پر اس کو حاصل ہو، اگرچہ لفظ میں گنجائش خیر اور شر دونوں کی ہے لیکن اس کا غالب استعمال اچھے عمل کے اچھے رد عمل کے لیے ہے۔ بندوں کے حقیر اعمال پر اللہ تعالیٰ جو ابدی اور لازوال انعامات عطا فرمائے گا ان کو ثواب کے لفظ سے تعبیر کر کے ربّ کریم نے بندوں کے اعمال کی قدر و قیمت بڑھائی ہے۔ ورنہ ذرّے اور پہاڑ میں کیا نسبت ہے۔ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ کے الفاظ سے اسی بعد کو رفع فرمایا گیا ہے۔ یعنی ہے تو تمہارے ہی عمل کا بدلہ لیکن ہے اللہ کے پاس سے جس کے پاس حسن ثواب کے خزانے ہیں۔ وہ داتا جس کو جتنا چاہے دے دے۔ اس کے پاس کیا کمی ہے۔[12]

خیر و شر کا ظہور اور خدا کی مشیت

سورۃ النساء آیت نمبر 79 کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۘ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا۔[13]

یہ آیتیں اوپر والی آیت ہی کے بعض اجمالات کو واضح کر رہی ہیں۔ پہلے ان لوگوں کو، جو کامیابیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور ناکامیوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف منسوب کر رہے تھے، مخاطب کر کے فرمایا کہ اصل حقیقت تو یہی ہے کہ خیر و شر ہر چیز کا ظہور خدا ہی کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اسکے حکم و اذن کے بغیر کوئی چیز بھی ظہور میں نہیں آسکتی۔ لیکن خیر اور

شر میں یہ فرق ہے کہ خیر خدا کی رحمت کے اقتضا سے ظہور میں آتا ہے اور شر انسان کے اپنے اعمال پر مترتب ہوتا ہے۔ اس پہلو سے شر کا تعلق انسان کے اپنے نفس سے ہے۔

یہ حقیقت یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ خیر مطلق ہے۔ اس نے یہ دنیا اپنی رحمت کے لیے بنائی ہے۔ اس وجہ سے اس کی طرف کسی شر کی نسبت اس کی پاکیزہ صفات کے منافی ہے۔ شر جتنا کچھ بھی ظہور میں آتا ہے وہ صرف انسان کے اپنے اختیار کے سوء استعمال سے ظہور میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص دائرے کے اندر آزادی بخشی ہے۔ یہ آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی پر انسان کے تمام شرف کی بنیاد ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان آخرت میں جزا و سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ اگر یہ آزادی انسان کو حاصل نہ ہوتی تو حیوان اور انسان کے درمیان کوئی فرق نہ ہوتا۔ لیکن اس آزادی کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ غیر محدود اور غیر مقید نہیں ہے بلکہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، ایک خاص دائرے کے اندر محدود ہے۔ پھر اس دائرے کے اندر بھی یہ خدا کی مشیت اور اس کی حکمت کے تحت ہے۔ خدا کے اذن و مشیت کے بغیر انسان اپنے کسی ارادے کو پورا نہیں کر سکتا۔ نیک ارادے بھی اس کی توفیق بخشی سے پورے ہوتے ہیں اور برے ارادے بھی اسی کے مہلت دینے سے بروئے کار آتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے کسی برے ارادے کو بروئے کار آنے دیتا ہے تو اس پہلو سے تو وہ خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے کہ اس کا بروئے کار آنا خدا ہے کے اذن و مشیت سے ہوا لیکن دوسرے پہلو سے وہ انسان کا فعل ہے کیونکہ اس کا ارادہ انسان نے خود کیا۔[14]

شر کو مہلت دینے کی حکمت

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی فرد یا جماعت کے کسی شر کو سر اٹھانے کی مہلت دیتا ہے تو اس لیے دیتا ہے کہ اس میں بحیثیت مجموعی اس کی خلق کے لیے کوئی حکمت و مصلحت مد نظر ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس ڈھیل سے اہل حق کی آزمائش ہوتی ہے کہ اس سے ان کی کمزوریاں دور ہوں اور ان کی خوبیاں نشو و نما پائیں۔ بعض اوقات اس سے اہل باطل پر حجت تمام کرنا اور ان کے پیمانے کو لبریز کرنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات قدرت خود ایسے حالات پیدا کرتی ہے جن سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ طبائع کے اندر جو کچھ دبا ہوا ہے وہ ابھرے۔ اس سے نیکیاں بھی ابھرتی ہیں اور جن کے اندر بدیاں مضمر ہوتی ہیں ان کی بدیاں بھی ابھرتی ہیں۔[15]

خیر و شر کے بدلہ کی حکمت

سورۃ الانعام آیت نمبر 12 کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یہاں جو بات نگاہ میں رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کا آنا خدا کی صفت رحمت کا لازمی تقاضا ہے۔ اگر

قیامت نہ آئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کائنات کا خالق رحمان و رحیم نہیں ہے۔ اس کے نزدیک نعوذ باللہ عدل و ظلم، نیکی اور بدی، خیر اور شر دونوں یکساں ہیں، یہ ایک کھلنڈرے کا کھیل اور ایک اندھیر نگری ہے۔ یہ باتیں چونکہ بالبداہت باطل ہیں، رحمان و رحیم خدا کی شان کے بالکل منافی ہے کہ وہ کوئی بے غایت و بے مقصد کام کرے، اس وجہ سے لازمی ہے کہ ایک ایسا دن وہ لائے جس میں اس کی رحمت کامل کا ظہور ہو، اپنے نیک بندوں کو وہ اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے اور جو بدکار و نابکار ہیں وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ قیامت کا اصل مقصود مجرموں کو سزا دینا نہیں بلکہ نیکو کاروں کو جزا دینا ہے۔ مجرموں کی سزا در حقیقت نیکو کاروں کی جزا کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔[16]

خیر اور شر میں امتیاز

سورۃ الفاطر آیت نمبر 7 کے تحت لکھتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ شدنی کے وضاحت ہے جس کا ذکر اوپر آیت ۵ میں آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے باب میں کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ یہ دنیا نیکی اور بدی، خیر اور شر میں کسی امتیاز کے بغیر یوں ہی چلتی رہے گی۔ جنہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے ان کو شیطان نے خدا کی صفات کے باب میں سخت دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ایک ایسا دن لازماً آنے والا ہے جس دن وہ لوگ عذاب شدید سے دوچار ہوں گے جنہوں نے کفر کیا ہو گا اور جن لوگوں نے ایمان و عمل صالح کی زندگی گزاری ہو گی وہ مغفرت اور اجرِ عظیم کے حق دار ٹھہریں گے۔[17]

خیر و شر کی جزاء و سزا کی دلیل

سورۃ الذاریات آیت نمبر 20 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفی الارض ایت للموقنین [18]

زمین کی بعض نشانیاں جو جزاء و سزا پر دلیل ہیں۔

امکان معاد پر قرآن نے زمین کے آثار سے یوں دلیل قائم کی ہے کہ دیکھتے ہو کہ زمین بالکل مردہ اور بے آب و گیاہ ہوتی ہے، اس کے کسی گوشے میں بھی زندگی و روئیدگی کا کوئی نشان نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی گھٹا بھیجتا ہے اور بارش کا ایک ہی چھینٹا اس کو زندگی اور شادابی سے معمور کر دیتا ہے غور کرو جو خدا اپنی قدرت کی یہ شان برابر دکھا رہا ہے وہ لوگوں کے مرکھپ

جانے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کرنا چاہے گا تو کیا نہیں کر سکے گا۔

حقائق کو ماننے کا حوصلہ نہ ہو تو دلائل کام نہیں دیتے

للمومقنین یعنی زمین میں نشانیوں کی تو کمی نہیں ہے۔ قدم قدم پر نشانیاں موجود ہیں۔ بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھیں، غور کرنے والی عقلیں اور غور و فکر کے نتائج پر یقین کرنے والے دل ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک حقیقت کو قبول کرنے کے لئے مجرد یہ چیز کافی نہیں ہے کہ اس کے دلائل موجود ہیں بلکہ اس کے لئے یہ چیز بھی ضروری ہے کہ مخاطب کے اندر دلائل پر غور کرنے اور ان کے بدیہی نتائج کو تسلیم کرنے کا ارادہ پایا جاتا ہو۔ اگر آدمی کے اندر یہ ارادہ نہ ہو تو وہ واضح سے واضح حقیقت کو جھٹلا دینے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر ہی لیتا ہے۔ اس دنیا میں حقائق کی تکذیب صرف اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ ان کے حق میں دلائل نہیں ت ہے یا ان کو پیش کرنے والے موجود نہیں تھے بلکہ اکثر و بیشتر نہ ماننے کی خواہش ان کی تکذیب کی محرک ہوئی ہے اور یہ ایک ایسی بیماری ہے جس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔[19]

خیر اور شر میں امتیاز کا بدیہی نتیجہ

سورۃ الجن آیت نمبر 14 کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> یعنی جب اللہ تعالیٰ نے خیر و شر میں امتیاز کی صلاحیت بھی ہمارے اندر ودیعت فرمائی ہے، اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعہ سے خیر اور شر دونوں کو اچھی طرح اجاگر بھی کر دیا ہے اور ایک امر واقعی کی حیثیت سے ہم اس صورت حال کا بھی مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ہمارے اندر خدا کے فرمانبردار اور نافرمان دونوں قسم کے لوگ ہیں تو اس کا لازم تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ دونوں سے ایک ہی طرح کا معاملہ نہ کرے بلکہ جو اس کی اطاعت کی راہ اختیار کرنے والے ہوں وہ تو اس کے صلے میں جنت کے حق دار ٹھہریں اور جو حق سے منحرف ہوں وہ جہنم کے ایندھن۔ حق و باطل میں یہ امتیاز اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کی حکمت کا لازمی تقاضا ہے ورنہ یہ دنیا ایک اندھیری نگری ہے جس کے خالق کے نزدیک معاذ اللہ نیکی اور بدی دونوں یکساں ہیں۔[20]

تفسیر حقانی

برصغیر کے اہل علم میں ایک نمایاں نام مولانا عبد الحق حقانی کا ہے۔ مولانا عبد الحق حقانی کو علوم اسلامیہ پر کامل دسترس حاصل تھی۔ ان کی تفسیر فتح المنان جو کہ تفسیر حقانی کے نام سے معروف ہے، اہل علم اور طلبۃ العلم میں معروف و مروج ہے۔ یہ تفسیر

مختلف اسلامی علوم و معارف کا قیمتی خزینہ ہے۔ اس تفسیر میں مولانا حقانی نے تراکیب قرآنی، تفسیر قرآن کے ساتھ مختلف فرق وادیان اور انکے ادلہ کو بالخصوص ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ ذیل میں ہم مولانا حقانی کی تفسیر سے مباحث خیر وشر کو ذکر کرتے ہیں:

اصول حسنات اور اشد منہیات کا تذکرہ

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ٱلْوَصِيَّةُ لِلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُتَّقِينَ[21]

تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آئے (علامات موت معلوم ہوں) تو اگر کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے دستور کے موافق وصیت کرنی چاہیے۔ خدا ترسوں پر لازمی بات ہے

تفسیر: پہلے سے اصول حسنات کا ذکر چلا آتا ہے۔ اس کے ضمن میں اشد منہیات قتل اور کتمان حق کا بھی ذکر آگیا تھا گویا کہ نیکی انسان کو جب نصیب ہوتی ہے کہ جب وہ ایسی ایسی بری باتوں سے بھی بچے اور چونکہ قصاص انسان کی زندگی باقی رہنے کا باعث تھا اور قتل کو بند کرتا تھا جیسا کہ فرمایا **ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب** اس کے بعد وصیت کا مسئلہ ذکر کیا کس لیے کہ باوجود مال واسباب ہونے کے اپنے اقارب کو محروم رکھنا گویا ان کو قتل کر دینا ہے جس طرح قصاص حقیقی قتل کی دوا ہے اسی طرح وصیت اس مجازی قتل کی دوا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے وصیت مقرر کر دی ہے۔ پس جب علامات موت نظر آئیں اور مال موجود ہو تو متقی پر یہ حق ضرور ہے کہ ماں باپ اور دیگر اقارب کے لیے وصیت کر دے۔

ہاں اب جو کوئی قابض مال یا گواہ خبر دار ہونے کے بعد اس کو بدلے گا تو یہ گناہ اس کی گردن پر رہے گا۔ خدا سے کوئی بات مخفی نہیں اور جو کسی کو یہ معلوم ہو کہ موصی انصاف کے طور پر وصیت نہ کرے گا وہ وصیت میں بے انصافی کر کے مر گیا تو اس نے محض نیک نیتی سے موصی کو وصیت کے بدلنے کی صلاح دی یا اس کے وارثوں میں اور جن کے لیے وصیت خلاف انصاف کر کے مر گیا ہے اور جھگڑا پیدا ہو گیا ہو وصیت میں کچھ کمی زیادتی کر کے باہم صلح کرا دی تو اس تبدیل و تغیر میں بھی کچھ گناہ نہیں اور اس اصلاح میں کچھ خلاف وصیت اس سے سرزد ہو گیا تو خدا اس کو معاف کر دے گا وہ غفور الرحیم ہے۔[22]

دار آخرت کا قانون

تِلْكَ ٱلدَّارُ ٱلْءَاخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَٱلْعَٰقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ[23]

(دنیاتو عام ہے) یہ آخرت کا گھر ہم خاص ان کو ہی دیتے ہیں جو نہ زمین میں گردن کشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد اور انجام تو پرہیز گاروں کا ہی اچھا ہے

تفسیر: قارون کی بربادی کا حال بیان فرما کر اور یہ بات ثابت کر کے کہ دار آخرت کی نعماء باقی اور بہتر ہیں۔ یہ بات بتلاتا ہے کہ اس دار آخرت کا کون مستحق ہے اور کن کن باتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ **فقال تلک الدار الآخرة نجعلها للذین لا یریدون علوًا فی الارض ولا فسادًا** کہ یہ دار آخرت ہم اس کو دیں گے کہ جو دنیا میں سرکشی اور فساد کرنے کا قصد بھی نہ کرے گا۔ علو گردن کشی 'تکبر' اس کی ضد اسلام گردن نہادن یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کے آگے گردن جھکائے ان کی سب باتوں کو مانے، اس میں تمام عقائد آگئے۔ یعنی قوت نظریہ کی تکمیل اور فساد کی ضد اصلاح ہے، اس میں اعمال صالحہ آگئے، یعنی نیک کام کرے۔ اب یہ خیال کرنا کہ دار آخرت کے لیے ایمان اور عمل صالح کی کوئی شرط نہیں تکبر اور فساد نہ کرنا ہی کافی ہے، محض غلط خیال ہے۔ ان اعتقادیات اور عملیات کو ترک تکبر اور فساد کے الفاظ سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ فرعون اور قارون کہ جن کا اس سورۃ میں ذکر ہے، وہ کمبخت اسی تکبر اور فساد سے ہلاک ہوئے ہیں۔

والعاقبة للمتقین اس کی تصریح ہے کہ ترک تکبر اور ترک فساد سے ایمان اور عمل صالح مراد ہیں، کیونکہ بغیر اس کے متقی نہیں ہوتے اور عاقبت یعنی آخرت اور اس کی خوبیاں متقیوں کے لیے ہیں۔ یہ جملہ کلام سابق کی تفسیر یا تاکید ہے، **من جاء بالحسنة الخ** میں اور بھی تصریح و تفصیل ہے کہ جو کوئی نیکی کرے گا اس سے بھی بہتر بدلہ پاوے گا اور جو بدی کرے گا اس کی سزا پاوے گا۔ یہ دار آخرت کا قانون ہے۔ کفار اور بت پرست دار آخرت کا ذکر سن کر کہتے تھے کہ دراصل ہم ہی دار آخرت کے مستحق ہیں جو کام ہم کر رہے ہیں، وہی ہدایت اور سعادت کے کام اور دار آخرت کے وسائل ہیں۔ (اور تمام مذاہب باطلہ کو یہی خبط ہے کہ وہ اپنے اعتقادِ بد اور عمل فاسد کو موجب نجات جانتے ہیں، دوسرے کو محروم) اور اسی لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کہتے تھے کہ تجھے دار آخرت نصیب نہیں اور نہ تو ہدایت پر ہے۔

یہ تین علامتیں معبود برحق کی ہیں، باقی اور ابدی ہونا۔ بادشاہی ہونا، اس کے پاس سب کو پھر کر آنا۔ یہ باتیں اور کسی میں نہیں، پس وہ معبود بھی نہیں، اس لیے ان کے پکارنے سے منع کیا۔ حاصل یہ کہ تو راہ راست پر ہے اور لوگوں کو توحید کی تعلیم کر ان کے کہنے کا کچھ بھی خیال نہ کر۔ سبحان اللہ سورۃ کو کن عمدہ مقاصد پر کس لطف کے ساتھ تمام کیا ہے۔ ۱۲ اس قید سے وہ تعارض اٹھ گیا جو نعماء جنت کے لیے دائمی اور باقی رہنے والا فرمایا ہے اس کس لیے کہ اس نعماء اور ہلاک سے مراد فنا اس عالم کا ہے اور جس نے مالک کے معنی ممکن الوجود کے لیے ہیں اس کے نزدیک تو سرے سے تعارض ہی نہیں۔[24]

برائی اور بھلائی میں تفرقہ کرنا

أَيْنَمَا تَكُونُواْ يُدْرِككُّمُ ٱلْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِى بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُواْ هَٰذِهِۦ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُواْ هَٰذِهِۦ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰٓؤُلَآءِ ٱلْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا[25]

تم جہاں کہیں (بھی) ہو گے تم کو موت آ ہی لے گی اگرچہ مضبوط برجوں ہی میں کیوں نہ ہو۔ اور اگر ان کو کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں اے نبی ! یہ تیری طرف سے ہے۔ کہہ دو سب کچھ اللہ (ہی) کی طرف سے ہے پھر اس قوم کو کیا ہو گیا ہے جو بات بھی نہیں سمجھتے۔

کیونکہ اگر ممکن کا محتاج مانیں گے تو انتہا اسی واجب لذاتہ کا محتاج ماننا پڑے گا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور یہ مسلم ہے کہ واجب لذاتہ تو صرف ایک ہی ہے جس کو اللہ کہتے ہیں اور باقی جو موجود ہے ممکن اور اس کے وجود کا پرتو ہے خواہ اس میں خیر ہو خواہ شر ‘خواہ فعل ہو خواہ قول ‘جوہر ہو خواہ عرض۔ بعض پادری اور آریہ اس کلام کا مطلب نہ سمجھے اور کل من عند اللہ اور من نفسک میں تعارض سمجھ کر قرآن پر اعتراض کر بیٹھے۔ پھر فرماتا ہے کہ لوگوں کا خیر و شر کو تیری طرف منسوب کرنا نادانی ہے۔ آپ تو اے نبی صرف رسول ہیں‘ خالق نہیں اور ہم اس کی شہادت دیتے ہیں۔[26]

مکارم اخلاق کی تعلیم

وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُۥ لَهَمَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ ۖ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَىْءٍ ۚ وَأَنزَلَ ٱللَّهُ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا[27]

اور (اے نبی!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک جماعت نے تو آپ کے بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا اور تم کو تو وہ کیا گمراہ کرتے مگر اپنے ہی آپ کو (گمراہ کرتے) اور نہ وہ تم کو کچھ ضرر بھی دے سکتے ہیں اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور تم کو وہ باتیں سکھائیں کہ جن کو تم نہیں جانتے تھے اور (اے نبی!) تم پر اللہ کا بڑا ہی فضل رہا ہے۔

اس کے بعد خیر کی تین ۳ قسم ذکر فرماتا ہے جو تمدن اور آخرت کے لئے تریاق کا حکم رکھتے ہیں۔ کس لئے کہ خیر یا دوسرے کو نفع پہنچانے میں ہے یا دفع ضرر میں اور خیر یا جسمانی ہے جیسا کہ مال کا دینا اس کی طرف امر بصدقۃ میں اشارہ ہے یا خیر روحانی۔ اس کی دو قسم ہیں تکمیل قوت نظریہ اور تکمیل قوت عملیہ یعنی علم و عمل ان کے مجموعہ کی طرف اور معروف میں اشارہ ہے یا دفع ضرر کے لئے تو اس کا اوامر اصلاح بین الناس میں اشارہ ہے۔ اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ ان میں بھی ریاکاری نہ ہو بلکہ خالص لوجہ

اللہ یہ باتیں ہونی چاہییں۔ پھر رسول کی نافرمانی اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی کی برائی کا بد نتیجہ بتایا جاتا ہے کہ ایسے شخص کی سزا جہنم ہے جیسا کہ طعمہ نے علیحدگی اختیار کی اور مکہ میں مرتد ہو کر مر گیا۔ اس آیت میں اجماع امت کے برحق ہونے کا ثبوت ہے اور یہ کہ اجماع کا مخالف گنہگار ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔[28]

نتائج خیر و شر

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ ٱللَّهُ سَمْعَكُمْ وَ أَبْصَٰرَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُم مَّنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ ٱللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِۦٓ ٱنظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ ٱلْءَايَٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ[29]

(اے نبی!) کہو تم دیکھو تو سہی اگر اللہ تمہاری شنوائی اور بینائی چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کوئی (اور بھی) معبود ہے جو تم کو انہیں لا کر دیوے۔ دیکھو ہم کیونکر طرح طرح سے دلیلیں بیان کرتے ہیں پھر وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔

تفسیر: وہ ملحد جو کامیابی اور ناکامی کو اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھتے ہیں ان کا جواب دیتا ہے کیونکہ ارضی و سماوی بلیلات میں تو کسی کو کلام ہی نہیں کہ وہ عالم غیب سے ہیں۔ وہ یہ کہ انسان کی تمام صنعت اور دانش اور تدابیر کے آلات کان اور آنکھ اور دل ہے۔ اگر ان میں فتور ہے تو پھر کچھ نہیں۔ ۱ بابل اور نینوا گو اس وقت کی ترقی اور ترفہ میں لندن اور پیرس سے کچھ کم نہ تھے مگر ان پر کیا موقوف ہے۔ ہزاروں جگہ زمین کھودنے کے بعد شاہی محل اور سلطانی بارگاہوں کے نشان برآمد ہوتے ہیں۔ بہت سے شہر پہاڑ میں سے ایک قسم کا دھات سا گرم مادہ بہنے سے دفعتاً ہلاک ہوئے ہیں اس کے غضب سے ڈرنا چاہیے چند روز ہوئے کشمیر میں بہت سے لوگ زلزلہ سے ہلاک ہوئے۔ اور یہ سب اسی کی نعمت ہے۔ اس میں بندہ کو کیا دخل ہے۔ اس کی طرف اس میں اشارہ کرتا ہے **قل ارایتم ان اخذ اللہ سمعکم الخ** اور مشرکین پر بھی ایک چابک مارتا ہے کہ بھلا یہ چیزیں تمہارے کون سے معبود کے قبضہ میں ہیں۔

ومانرسل المرسلین الخ کہ رسول صرف دنیا میں نیک و بد کے کام کے نتائج خیر و شر سے مطلع کرنے کو آتے ہیں باقی معجزات سو وہ ہمارے اختیار میں ہیں۔ جب مناسب جانتے ہیں ظاہر کر دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جو منکرین کہتے تھے کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو ہمیں بہت سا مال دے دیجئے یا زمین کے مدفون خزانے بتلا دیجئے اور بعض یہ شبہ کرتے تھے کہ پھر آپ کیوں کھاتے پیتے ہیں؟ ان کے جواب میں فرماتا ہے **قل لا اقول** کہ ان سے کہہ دے نہ تو میرے پاس خزانے ہیں نہ میں غیب داں ہوں کہ تم کو دفائن بتلائوں نہ میں فرشتہ ہوں کہ جو نہ کھائوں نہ پیوں انسان ہوں اس کی وحی اور الہام کا پابند ہوں۔[30]

خیر وشر کا خالق

وَجَعَلُواْ لِلَّهِ شُرَكَآءَ ٱلْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ۖ وَخَرَقُواْ لَهُۥ بَنِينَ وَبَنَٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ[31]

اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنالیا حالانکہ وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اس کے لئے بے سمجھے بیٹے اور بیٹیاں بھی گھڑ لیں۔ وہ ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں پاک اور بالاتر ہے۔

یزداں کی فوج ملائکہ اور اہر من یعنی ابلیس کی فوج کو شیاطین و جن قرار دیتے تھے اور ان میں جنگ و جدال کے قائل تھے۔ ادھر نجران وغیرہ علاقوں میں نصاریٰ تھے جو حضرت مریم[کو خدا کی بیوی اور حضرت مسیح (علیہ السلام) کو اس کا بیٹا کہتے تھے۔ یہ بھی بڑا شرک ہے۔ ان سب کے رد میں فرماتا ہے کہ بغیر سمجھے انہوں نے جنوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا اور اس کے لئے بیٹیاں بھی گھڑ لیں کہ عیسائیوں نے بیٹا اور مشرکین عرب نے ملائکہ کو بیٹیاں کہا۔ سبحانہ وتعالیٰ عمایصفون خدا ان کی خانہ ساز باتوں سے پاک ہے۔ پھر اس پر چند دلائل ذکر فرماتا ہے:

1۔ **بدیع السموات والارض** کہ وہ بغیر کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے یعنی جو کچھ موجود ہے اس کا بنایا ہوا ہے۔ پھر وہ اہر من کون ہے اور اس نے کیا بنایا ہے۔ وہ کیا اس کی مخلوق سے باہر ہے اور ایسے قادر مختار کو بیٹے بیٹیوں کی کیا ضرورت ہے؟ جو وہ ہیں تو بتلاؤ۔ انہوں نے کونسا آسمان کونسی زمین اور کیا پیدا کیا ہے؟

2۔ **انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة** کہ وہ قدیم اور مستغنی ہے۔ اس کو بیوی کی کیا ضرورت ہے اور جب بیوی نہیں بچے اور اولاد کیسی؟

3۔ وہ ان سب چیزوں کا خالق ہے اور والد خالق نہیں ہوتا **وخلق کل شیء** اگر وہ خالق نہیں تو یہ اولاد حادث ضرور ہے۔ پھر محدث یا خالق کون ہے؟ پھر اپنے چند وہ اوصاف بیان کرتا ہے کہ جن سے اس کا ان ذمائم سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اول **وھو بکل شیء علیم** کہ ہر چیز کا اس کو علم ہے۔ سب کچھ جانتا ہے۔ یہ بات اوروں میں کہاں ہے۔ دوم **وھو علی کل شیء وکیل** کہ وہ واجب الوجود ہے سب کا سلسلۂ احتیاج اس کی طرف تمام ہوتا ہے۔ وہی سب کا محافظ و حاجت روا ہے۔ سوم لاتدرکہ الابصار کہ اس کو اس عالم حسی کی آنکھ جو محسوسات کے ادراک کے لئے مخصوص ہے دیکھ نہیں سکتی لیکن وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ یہاں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عالم قدس میں خدا تعالیٰ کا بندوں کو دیدار نہ ہوگا۔ علاوہ اس کے ادراک کی نفی ہے جو کنہ پر موقوف ہے نہ رؤیت کی جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔[32]

خیر وشر اور سعادت دارین

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ ٱلْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ[33]

آپ کا رب جو رب العزت ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں ان سے پاک ہے.

تفسیر: اس کے بعد خدا تعالیٰ سورۃ کو کن عمدہ مطالب کی طرف اشارہ کر کے تمام کرتا ہے۔ **فقال سبحان ربک رب العزت عما یصفون۔ و سلام علی المرسلین و الحمد للہ رب العالمین**، عاقل کے لیے تین باتوں کی معرفت اور علم اعلیٰ درجہ کا کام ہے۔

1۔ خدا تعالیٰ اور اس کے صفات کا جاننا حتی المقدور اور اس کے صفات تین قسم کے ہیں۔ اول تمام عیوب و نقص سے اس کو پاک جاننا اس کے لیے لفظ سبحان آیا۔ دوم اس کے لائق صفات الوہیۃ سے واقف ہونا اس کے لیے ربک رب العزۃ آیا۔ ربوبیت، حکمت و رحمت، علم و قدرت پر دال ہے۔ عزۃ کمال قدرت و جبروت پر۔ سوم یہ کہ وہ اپنی خدائی میں شریک ہونے سے پاک ہے، اس کے لیے **عما یصفون** آیا۔

2۔ یہ کہ دنیا میں کن لوگوں کا طریقہ ایسا ہے کہ جس کے اختیار کرنے سے سعادت دارین حاصل ہو اور سلامتی اور ذکر جمیل کے قابل ٹھہرے؟ سو وہ رسولوں کا طریقہ ہے، اس کی طرف و سلام علی المرسلین میں اشارہ ہوا کہ ان پر سلامتی ہے۔

3۔ مرنے کے بعد کیا ہو گا اور کیا پیش آوے گا؟ اس بات کی طرف الحمد للہ رب العالمین میں اشارہ کیا کہ جو شخص ہر ایک ستائش کے قابل ہے اور وہ تمام عالم کا مربی اور خیر محض ہے، مرنے کے بعد رسولوں کے مطیع کو اس کی ربوبیت و رحمت حیات ابدی و سرور سرمدی عطا کرے گی۔ الٰہی ہم کو بھی نصیب کر۔[34]

خلاصہ بحث

گزشتہ صفحات میں ہم نے تفسیر ترجمان القرآن، تدبر قرآن اور تفسیر فتح المنان سے خیر و شر سے متعلق مباحث ذکر کی ہیں۔ جو کہ انتہائی علمی مباحث ہیں۔ تینوں مفسرین نے خیر و شر سے متعلق انتہائی علمی مواد جمع کیا ہے۔ خیر و شر سے متعلق تمام جہات کو انہوں نے موضوع بحث بنایا ہے۔ خیر و شر کا منبع، خیر و شر اور جبر، خیر و شر کی جزاء و سزا اور دیگر تمام ذکر کردہ موضوعات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1 البقرۃ2:120

Al-Baqarah 2:120

2 الجاثیہ17:45

Al-Jāthiyah 45:17

3 العنکبوت49:29

Al-Ankabut 29: 49

4 الزخرف20:43

Al-Zukhruf 43: 20

5 آزاد، ابوالکلام، مولانا، **ترجمان القرآن**(لاہور: اسلامی اکادمی اردو بازار، 1974ء)، 124:3۔

Āzād, Abul Kalām, Maulāna, *Tarjumān al Qur'ān* (Lahore: Islamic Academy, Urdu Bazār, 1974), 3: 124.

6 آزاد، **ترجمان القرآن**، 548-546:2

Azad, Tarjumān al-Qur'ān, 2:546-548

7 آزاد، **ترجمان القرآن**، 412:2

Azad, Tarjumān al-Qur'ān, 2:412

8 آزاد، **ترجمان القرآن**، 111:2

Azad, Tarjumān al-Qur'ān, 2:111

9 اصلاحی، امین احسن، مولانا، **تدبرِ قرآن**(لاہور: مکتبہ مرکزی انجمن خدام، س ن)، 374:1۔

Iṣlāhī, Amīn Aḥsan, Maulāna, *Tadbur-e-Qurān* (Lāḥore: Maktab-e-Markazī Anjuman-e-Khudām, S.N),1:374.

10 اصلاحی، **تدبر قران**، 377:9

Iṣlāḥī, Tadabbur-e-Qur’ān, 9: 377

11 آل عمران195:3

Āl-Imrān 3: 195

12 اصلاحی، **تدبر قران**، 231:2

Iṣlāḥī, Tadabbur-e-Qur’ān, 2:231

13 النساء، 79:4

Al-Nisā’ 4:79

14 اصلاحی، **تدبر قران**، 345-344:2

Iṣlāḥī, Tadabbur-e-Qur’ān, 2:344-345

15 ایضاً

Ibid.

16 اصلاحی، **تدبر قران**،3:27-28

Iṣlāḥī, Tadabbur-e-Qur'ān, 3:27-28

17 اصلاحی، **تدبر قران**،6:357، 358

Iṣlāḥī, Tadabbur-e-Qur'ān, 6:357, 358

18 الذاریات 51:20

Al-Dhāriyāt 51:20

19 اصلاحی، **تدبر قران**،7:596-598

Iṣlāḥī, Tadabbur-e-Qur'ān, 7:596-598

20 اصلاحی، **تدبر قران**،8:623

Iṣlāḥī, Tadabbur-e-Qur'ān, 8:623

21 البقرۃ،2:180

Al-Baqrah 2:180

22 ایضا

Ibid.

23 القصص،28:83

Al-Qaṣṣaṣ, 28:83

24 الحقانی، محمد عبدالحق، **تفسیر فتح المنان المشہور بہ تفسیر حقانی**(لاہور: مکتبہ الحسن، س-ن)،3:509۔

Al-Haqqānī, Muhammad Abd al-Ḥaq, *Tafsīr Fataḥ al-Manān al-Mashūr Bah Tafsīr Haqqānī* (Lāhore: Maktaba al-Ḥasan, S-N), 3: 509.

25 النساء،4:78

Al-Nisā' 4:78

26 حقانی، **فتح المنان**،2:180

Ḥaqqānī, Fatḥ al-Mannān, 2:180

27 النساء4:113

Al-Nisā' 4:113

28 حقانی، **فتح المنان**،2:202، 203

Ḥaqqānī, Fatḥ al-Mannān, 2:202,203

29 الانعام،6:46

Al-An'ām, 6:46

30 حقانی، **فتح المنان**،2:329، 330

Ḥaqqānī, Fatḥ al-Mannān, 2:329, 330

31 الانعام،6:100

Al-An'ām, 6:100

32 حقانی، **فتح المنان**، 2، 350، 351

Ḥaqqānī, Fatḥ al-Mannān, 2:350, 351

33 الصافات 37:180

Al-Ṣāffāt 37:180

34 حقانی، **فتح المنان**، 4:120، 121

Ḥaqqānī, Fatḥ al-Mannān, 4:120, 121